آخری قسط

اثباتِ پردہ

آیۃ اللہ العظمیٰ سید العلماء مولانا سید علی نقی نقویؒ

علامہ حلی نے تذکرۃ الفقہاء میں فرمایا ہے:

لو ماتت امراۃ ولیس هناك الا الاجنبی قال علماؤنا تدفن بثیابها ولا یغسلها الاجنبی ولا یومما التحریم النظر واللمس فی حال الحیٰوۃ فکذلك الموت۔

(یعنی) اگر کسی عورت کا انتقال ہوجائے اور غیر مردوں کے سوا کوئی نہ ہو تو ہمارے علماء کا قول یہ ہے کہ اس کو کپڑوں سمیت دفن کردیا جائے۔ غیر مرد نہ اسے غسل دیں نہ تیمم کرائیں اس لئے کہ دیکھنا اور جسم کا چھونا غیر مرد کو زندگی میں بھی حرام تھا۔ اسی طرح موت کے بعد بھی حرام ہے۔

شہید اول رحمۃ اللہ نے لمعہ دمشقیہ میں فرمایا ہے:۔

فان تعذّر فالکافر و الکافرۃ بتعلیم المسلم۔

''اگر عورت اور محرم کوئی موجود نہ ہو تو مسلمان عورت کی لاش کو کافر عورت غسل دے کسی مسلمان کی تعلیم سے''

شہید ثانی شرح میں فرماتے ہیں:

والمراد هنا صورۃ الغسل ولا تعتبر فیه النیۃ۔

''یہ حقیقت میں غسل نہ ہوگا بلکہ مقصد یہ ہے کہ غسل کی صورت وجود میں آجائے اس میں نیت کا بھی اعتبار نہیں ہے''

اپنی دوسری کتاب شرح ارشاد میں فرماتے ہیں:۔

وحیث منعنا مباشرۃ الکافر او تعذر دفن المیت بثیابه بغیر غسل ولا تیمم لاستلزامه النظر اللمس المحرمین۔

''اگر ہم کہیں کہ غیر مسلم کو غسل دینا جائز نہیں ہے یا اتفاق سے غیر مسلم بھی عورت کوئی موجود نہ ہو تو میت کو اس کے کپڑوں سمیت بغیر غسل و تیمم کے دفن کردینا چاہیئے اس لئے کہ غسل اور تیمم دونوں میں نظر اور جسم کو چھونے کی ضرورت ہوگی جو دونوں حرام ہیں۔

(روض الجناں شرح ارشاد الاذہان مطبوعہ طہران، ص ۹۸)

(ساتویں) اذان اور اقامت نماز کے لئے بڑا تاکیدی حکم ہے بلکہ متعدد علماء وجوب کے قائل ہیں مگر عورتیں اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔

جناب شیخ مفید طاب ثراہ مقنعہ میں فرماتے ہیں:۔

ولیس علی النساء اذان ولا اقامۃ لکنّهنّ یتشهدن بالشهادتین عند وقت کل صلوٰۃ ولا یجهرن بهما لئلا یسمع اصواتهن الرجال ولو اذن واقمن علی الاخفات للصلوٰۃ لکن بذلك ما جورات ولم یکن به مازورات الّا انّه لیس بواجب علیهن کوجوبه علی الرجال۔

''عورتوں کو اذان و اقامت کا حکم نہیں ہے بس وہ ہر نماز کے وقت شہادتین زبان پر جاری کرلیا کریں اسے بھی بلند آواز سے نہ کہیں کہ مردوں تک ان کی صدا پہنچے اور اگر نماز میں آہستہ اذان دے لیں تو انہیں اس کا ثواب ملے گا گناہ نہیں ہوگا۔ مگر حکم تاکیدی ان کے لئے ویسا نہیں ہے جیسا مردوں کے لئے ہے۔'' (مقنعہ مطبوعہ طہران، ۲۵)

ابن ادریس نے سرائر میں فرمایا ہے:

ولیس علی النسآء اذان ولا اقامۃ بل یشھدن الشھادتین بدلا من ذلك فان اذّن واقمن کانّ افضل الّا انھن لا یرفعن اصواتھن اکثر من اسماع انفسھن ولا یسمعن الرجال۔

اس کا بھی خلاصہ یہی ہے کہ اذان اور اقامت عورتوں کے لئے نہیں ہے اور اگر دیں بھی تو اس طرح کہ مرد آواز نہ سنیں۔

محقق رحمہ اللہ نے بھی معتبر میں اس پر زور دیا ہے اور امام جعفر صادقؑ کی حدیث نقل کی ہے:

عن المرأۃ تؤذّن قال حسن ان فعلت ولا تؤذّن للرّجال لانّھا صوتھا عورۃ

دریافت کیا گیا کہ عورت کو اذان دینا چاہیئے؟ فرمایا اچھا ہے۔ اگر اذان دے مگر مردوں کو آواز نہ سنائے۔ اس لئے کہ اس کی آواز بھی عورت ہے یعنی چھپانے کی مستحق ہے۔

(معتبر، ص۱۶۱)

علامہ حلّی نے تذکرۃ الفقہا میں فرمایا ہے:

لو اذنت للرجال لم یعتدوا به لانّه عورۃ فالجھر منھی عنه۔

''اگر مردوں کی جماعت کے لئے عورت اذان دے تو اسے کافی نہیں سمجھنا چاہیئے اس لئے کہ وہ عورت ہے (یعنی پردہ اس کے لئے ضروری ہے) لہٰذا آواز بلند کرنے کی اسے ممانعت ہے اور ممانعت عبادت کو باطل کر دیتی ہے۔

شہید ثانی رحمہ اللہ مسالک میں فرماتے ہیں:

انما یشترط اسرارھا حیث یستلزم الجھر سماع الرجل اما مع عدمه فتتخیر بین السرّ والجھر وان کان السر افضل۔

(یعنی آہستہ کہنے کی شرط عورت کے لئے اس وقت ہے جب آواز بلند کرنے سے غیر مرد کے سننے کا اندیشہ ہو لیکن اگر کوئی غیر مرد سننے والا قریب موجود نہ ہو تو اختیار ہے بے شک آہستہ کہنا اس وقت میں بھی افضل ہے)

شہید ثانی رحمہ اللہ روض الجنان فی شرح ارشاد الاذہان (مطبوعہ طہران، ۲۳۹) میں فرماتے ہیں:

انّما یستحب للمرأۃ بل یشرع اذالم تسمع اذانھا واقامتھا الرجال الا جانب فان سمعوا مع علمھا حرم ولم یعتد به للنھی المفسد للعبادۃ۔

اذان واقامت کی مشروعیت عورت کے لئے اس وقت ہے جب اس کی اذان واقامت کو غیر مرد نہ سنیں اور اگر غیر مرد سن رہے ہوں اور اس کو علم ہو تو حرام ہے اور صحیح بھی نہیں ہے اس لئے کہ عبادت کا بطور ممنوع ہونا باعث بطلان ہے۔

(آٹھویں) نماز جماعت میں ضروری ہے کہ امام اور ماموم کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو۔ مگر عورتوں کا پردہ وہ چیز ہے جس کی وجہ سے ان کے لئے یہ حکم باقی نہیں رہا۔

وقد رخص للنسآء ان یصلین مع الامام من ورآء الحوائل۔

(مبسوط، شیخ الطائفہ مطبوعہ طہران)

شرائع میں ہے۔ ولا تصح مع حائل بین الامام والماموم یمنع المشاھدۃ الا ان یکون الماموم امرأۃ۔ (مطبوعہ طہران، ص۳۲)

معتبر میں اس کو تفصیل سے لکھا ہے فرماتے ہیں:

قال الشیخ لا یجر ان یؤم المرأۃ من ورآء الجدار و لعله استنادا الی روایۃ عمار عن ابی عبدالله قال سألته عن الرجل یصلی بالقوم وخلفه دار فیھا نساء ھل یصلین خلفه قال نعم قلت ان بینه و بینھن حافظا و طریقا قال لا باس و یؤید ذلك ان المرأۃ عورۃ والجماعۃ عبادۃ

مھمۃ فی نظر الشرع فیجمع لھا بین الصیانۃ وتحصیل الفضیلۃ ویستوی فی ذلك الحسنآء والشر ھا والشابۃ والمسنۃ۔

یعنی شیخ طوسی نے کہا ہے کہ عورت دیوار کے پیچھے سے جماعت میں شریک ہوسکتی ہے۔ غالباً اس کا مستند عمار کی روایت ہے۔ امام جعفر صادقؑ سے دریافت کیا کہ ایک شخص نماز پڑھ رہا ہو اور اس کے پیچھے ایک مکان ہو جس میں عورتیں ہیں تو یہ اس کے پیچھے نماز پڑھ سکتی ہیں؟ حضرتؑ نے فرمایا ہاں پڑھ سکتی ہیں۔ سائل نے کہا اس مرد اور ان عورتوں کے بیچ میں دیوار ہے اور راستہ ہے۔ حضرت نے فرمایا کچھ حرج نہیں۔ موید اس حکم کے یہ ہے کہ صنف نسواں عورت ہے (یعنی پردہ اس کے لئے ضروری ہے) اور نظرِ شارع میں نماز جماعت ایک اہم عبادت ہے لہٰذا ایسی صورت نکالی گئی کہ پردہ کہ پابندی بھی ہو اور فضیلت بھی حاصل ہو جائے اور اس حکم میں کوئی فرق نہیں ہے کہ عورت خوب صورت ہے یا بدصورت اور جوان ہے یا سن رسیدہ

(معتبر مطبوعہ طہران، ۴۳۹)

علّامہ حلیؒ نے بھی تذکرۃ الفقہاء میں یہی مضمون درج فرمایا ہے:

اتنے نظائر ہمارے اس دعوے کے اثبات میں کافی ہیں کہ جب دوسرے قوانین شرع اور پردہ کے قانون سے متصادم ہوں تو پردہ کا حکم دوسرے قوانین پر اثر انداز ہو جاتا ہے اور یہ اسلامی نقطۂ نظر سے پردہ کی اہمیت کا ایک قطعی ثبوت ہے۔

پردہ کے عقلی پہلو کیا ہیں؟

عزیز اور قابل حفاظت شئے کا تحفظ ضروری ہے خطرات کے ہوتے ہوئے امکانی حدود تک ان خطرات سے بچنے کی کوشش مستحسن ہے جو طریق کار ممکن درجہ تک خطرات سے بچنے کا ذریعہ ہو اس کا اختیار کرنا عقلاً پسندیدہ ہے۔

مذکورہ بالا امور میں سے کوئی ایک امر بھی غالباً شک وشبہ کی آماجگاہ بننے کے قابل نہیں ہے۔

اب اس کے بعد یہ دیکھئے کہ عزت وشرفِ ناموس قابلِ حفاظت چیز ہے یا نہیں۔ پردہ کی پہلی قسم میں اخلاقی حجاب کے بیان میں لکھ چکا ہوں کہ ہمارے ہندو پاکستان کا فکر وخیال ابھی تک اس نقطہ تک نہیں پہنچا ہے کہ وہ عزت ناموس کو قابل قدر اور لائق حفاظت نہ سمجھے۔ اس پر بہر حال سب متفق ہیں اور مشرقی مزاج طبیعت ابھی تک اس نقطہ سے ہٹ نہیں سکتا اس لئے اس پر بحث و استدلال کی کوئی ضرورت نہیں باقی رہتی۔

یہ عزت ناموس کی دولت خطرات کا مرکز ہے یا نہیں بالکل ظاہر ہے جذبۂ نسوانی اور طبیعتِ مردانہ بقول شخصے مقناطیس وآہن ہے یا آتش وخرمن۔

سید باقر صاحب قبلہ کے ایسے بےنفس ملکوتی صفات انسان نے اپنی کتاب میں تائیدی حیثیت سے بار بار شاعر عرب کا یہ قول دوہرایا ہے:۔

ان من لم یعشق الوجہ الحسن

قرب الرجل الیہ والرسن

جو حسین چہرہ کو دیکھ کر دل دادہ نہ ہو جائے وہ آدمی نہیں جانور سمجھے جانے کا مستحق ہے۔

مقصد بظاہر یہ ہے کہ شعورِ حسن اور تاثر کا ہونا انسانی ادراک کا لازمہ ہے یہ اور بات ہے کہ بلند نظر پابند آئین قدسی صفت انسان اس احساس کو فرض شناسی کے بار سے دبا کر عمل کی منزل میں جذبات کو کارفرما نہیں ہونے دیتا مگر ایسے قدسی صفت انسان دنیا میں کتنے ہیں۔ دنیا جیسے انسانوں سے بھری پڑی ہے تو وہ وہی ہیں جن میں قوتِ شعور وتاثر موجود ہے اور ضبطِ نفس کی قوت مفقود ہے ایسی حالت میں خطرات کا اندیشہ قطعی ہے۔

پردہ ان خطرات سے بچنے کا امکانی ذریعہ ہے۔ اس لئے عقلاً اس کا اختیار کرنا لازم ہے۔

نظیریں آپ کی آنکھوں کے سامنے ہیں۔ ضروری کاغذات بکس میں بند کرکے رکھے جاتے ہیں۔ جواہرات صندوقوں میں مقفل کئے جاتے ہیں۔ زرنقد کے لئے تجوریاں بنائی گئی ہیں جہاں انھیں محفوظ رکھا جاتا ہے۔

سوتے وقت گھروں کے دروازے بند کردئے جاتے ہیں بینک کے دروازہ پر قفل کے ساتھ ساتھ پہرہ دار مقرر ہوتے ہیں۔

حکام اعلیٰ جن کی حفاظت بھی زیادہ ضروری اور جن کے دشمن بھی بکثرت ہوتے ہیں ان کی حفاظت کے لئے باڈی گارڈ ہوتے ہیں اور وہ بلاضرورت مارے مارے نہیں پھرا کرتے۔

خلاصہ یہ کہ ہر شئے جتنی زیادہ عزیز ہو جتنے انسان اس کے طالب ہوں اور جتنے اس کے لئے خطرات ہوں اتنا ہی اس کے لئے حفاظت کا سامان ہوتا ہے۔ اب متاعِ گراں مایہ عزت وشرافت کے متعلق اپنے پیمانہ نگاہ کا اندازہ کرلیجئے کہ وہ آپ کے نزدیک کس قدر قیمتی ہے۔ اگر ضروری کاغذات سے زیادہ قیمتی نظر آئے۔ اگر روپیہ سے زیادہ بیش قیمت معلوم ہوا گر آپ کے اثاث البیت اور ہر مال ومتاع سے بڑھ کر اس کی عزت محسوس ہو بلکہ اکثر شرفاء کی نگاہ میں جان سے زیادہ عزیز معلوم ہوتو پھر اس کی حفاظت میں اتنا ہی زیادہ انہاک بھی صرف کرنا ہوگا اور اس صورت میں پردہ کو ہرگز قابل اعتراض نہیں سمجھا جاسکتا۔

ظاہر ہے کہ کسی امر کے ثبوت کے لئے دو چیزوں کی ضرورت ہے۔ ایک مقتضی کا موجود ہونا دوسرے موانع کا مفقود ہونا۔

پردہ کے متعلق مقتضی کے ثبوت کے لئے اتنا بیان کافی ہے رہ گیا موانع کا برطرف ہونا اس کے لئے ضرورت ہے کہ پردہ کے خلاف جو پہلو پیش کئے جاتے ہیں ان کا ایک ایک کرکے تذکرہ کیا جائے اور انہیں رد کیا جائے۔ جب وہ رد ہوجائیں گے تو پھر پردہ کے ضروری ہونے میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہ رہے گی۔

پہلا اعتراض

طبیعت انسانی کا خاصہ ہے کہ جس چیز سے روکا جائے اسی کی تمنا ہوتی ہے۔ اس مضمون کی عربی کی مثل مشہور ہے۔ الانسان حریص علیٰ مامنع

اس لحاظ سے پردہ کا نظام خود ہوس کے بڑھانے کا ذریعہ ہے اور اگر پردہ اٹھایا جائے تو ہوس کا بھی خاتمہ ہوجائے گا۔

جواب

پردہ یعنی نقاب یا برقع اٹھانے کے بعد بھی صنفی معاشرت میں کسی نقطہ پر تو ہمارے مشرق کے آزاد خیال مصلحین بھی پابندی عائد کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ یعنی بالکل مطلق اور بلاقید اختلاطِ جنسی کی آزادی دینے کے وہ بھی حامی نہیں ہیں اور جب کہ یہ اصول ہے کہ جس چیز سے روکا جائے اسی کی ہوس ہوتی ہے۔ تو موجودہ حالت میں جب کہ پردہ کی پابندی ہے اور چہرہ پر نقاب ہے تو ابتدائی مرکز تمنا صرف چہرہ کا دیدار ہوجاتا ہے اور بہت سے خوش قسمت وہ ہوں گے جو رخ کی ایک جھلکی ہی پر اپنے کو کامیاب سمجھ لیتے ہیں۔ لیکن اگر چہرہ کی نقاب کو اٹھا دیا جائے اور برقع کی پابندی نہ رہے لیکن اس کے بعد کی منزلوں میں معاشرتی پابندیاں قائم رہیں تو اس صورت میں تیر ہوس کا پہلا نشانہ وہی ہوگا جس سے دامن عفت بالکل تارتار نظر آئے۔ یوں سمجھئے یہ چہرہ کی نقاب ایک قلعہ ہے جس سے ہوس کے تیر ٹکرا ٹکرا کر گر جاتے ہیں اور نگاہ ہوس کو آگے بڑھنے کا حوصلہ ہی نہیں ہوسکتا۔

لیکن اگر نقاب نہ ہو اور اس کے بعد ہوس کی ناوک

افگنی جاری رہے تو پھر براہ راست خطرہ کا مرکز سرمایہ آبرو ہی ہوگا۔ جس کا تحفظ شرفاء جان سے بھی مقدم سمجھتے ہیں۔

دوسرا اعتراض

اگر پردہ اٹھنے کی صورت میں وہ خطرات صحیح سمجھے جائیں جن کی طرف اشارہ کیا گیا ہے تو چاہیئے کہ یورپ میں جہاں پردہ نہیں ہے اس قسم کے شرمناک واقعات بکثرت واقع ہوں حالانکہ صورت حال اس کے بالکل برعکس ہے۔ ہندوستان میں ایسے شرمناک واقعات آئے دن ہوا کرتے ہیں اور اخباروں تک میں شائع ہوجاتے ہیں جب کہ یورپ کے اخبارات ایسے اطلاعات سے خالی ہوتے ہیں اس کے معنی یہ ہیں کہ پردہ نہ ہونے کی صورت میں اخلاقی نقصانات کا تصور ایک توہم ہے اس میں حقیقت نہیں ہے۔

جواب

ہندوستان میں ایسے واقعات ہمارے گوش زد اس لئے ہوتے ہیں کہ وہ ایک غیر معمولی اور شاذ و نادر حیثیت رکھتے ہیں۔ اس لئے جب کہیں کوئی ایسی صورت پیدا ہوتی ہے تو اس کا چرچا بھی ہوتا ہے۔ اور اخباروں میں بھی اشاعت ہوتی ہے لیکن یورپ میں اس طرح کے واقعات اتنے عام اور کثیر الوقوع ہوگئے ہیں کہ ان کے بیان کرنے اور سننے میں کوئی دلچسپی باقی نہیں رہی ہے۔ اس لئے نہ ان کا چرچا ہوتا ہے اور نہ اخباروں میں ان کا تذکرہ ہوتا ہے۔ اخباروں میں تو وہی چیز شائع ہوتی ہے جس میں کوئی ندرت ہو۔

ایک مرتبہ ایک اخبار میں میں نے ''اخبار کے لائق خبر'' کا معیار پڑھا ہے اس میں لکھا ہے کہ اگر کوئی کتا کسی آدمی کو کاٹ کھائے تو یہ کوئی ایسی خبر نہیں جو اخبار میں شائع ہو لیکن اگر کوئی آدمی کسی کتے کو کاٹ لے تو یہ اخبار میں شائع ہونے کی خبر ہوگی۔

بس اب سمجھ لیجئے کہ ہندوستان میں اس طرح کی بد اخلاقی کے شرم ناک واقعات ابھی تک ایسے ہیں جیسے آدمی کتے کو کاٹے اس لئے ان کی اشاعت ہوتی ہے اور یورپ میں اس طرح کے واقعات کی حیثیت وہی ہے جیسے کتا آدمی کو کاٹے اس لئے ان کی اشاعت کی ضرورت نہیں ہوتی۔

پھر بھی مردم شماریوں اور ناجائز پیدائشوں کے اعداد سے اس ہولناک تمدنی بربادی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے جو یورپ میں بے پردگی کے نتائج میں ہوچکی ہے اور ہونے والی ہے۔ جس سے ہندوستان و پاکستان اب تک خدا کے فضل سے صرف پردہ کی بدولت محفوظ ہیں۔ اللہ ان کو یوں ہی محفوظ رکھے۔

تیسرا اعتراض

اگر پردہ ان خطرات سے محفوظ ہونے کا ذریعہ ہوتا جن کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ تو ان گھرانوں میں جہاں پردہ کی پابندی ہے اس قسم کے شرمناک واقعے کبھی ظہور میں نہ آتے۔ حالانکہ مشاہدہ اس کے خلاف ہے۔ تو پھر پردہ سے کیا فائدہ ہے۔

جواب

ہمارے ان گھرانوں میں جہاں پردہ کا رواج ہے اکثر و بیشتر پردہ کی پابندی ان اصول کے ساتھ ہوئی نہیں جو شرع نے مقرر کئے۔ شرع نے محرم اور نامحرم کے حدود جو مقرر کئے تھے ان کے برخلاف رواجی طور پر محرم و نامحرم خود مقرر کئے گئے ہیں۔ مثلاً شریعت نے بھائی کو محرم قرار دیا تھا۔ بھائی کے معنی تھے اپنے باپ اور ماں کی اولاد۔ سگے چچا کا بیٹا تک شرعاً ابن العم اور ابن الخال ہے۔ بھائی نہیں ہے مگر ہندوستانی تمدن نے بھائی کے دائرہ کو بہت وسیع کردیا۔ یوں ہی ماموں۔ اپنے حقیقی نانا اور نانی کی اولاد۔ چچا اپنے حقیقی دادا اور دادی کی اولاد کو کہتے ہیں۔

یہاں رشتہ کے ماموں اور رشتہ کے چچا کو لے کے

مفہوم میں بڑی وسعت پیدا کردی گئی۔ کسی سے پوچھئے یہ آپ کے کون ہیں۔ پہلی مرتبہ جواب مل جائے گا۔ بھائی یا چچا یا ماموں یا دادا یا نانا۔ اب اگر دہرا کے آپ ذرا تحقیق طلب انداز سے پوچھ لیجئے آپ کے بھائی ہیں؟ یا آپ کے چچا ہیں؟ یا آپ کے نانا ہیں؟ وغیرہ۔ تو اکثر یہ جواب ملے گا کہ جی ہاں بھائی ہوتے ہیں۔ چچا ہوتے ہیں یا نانا ہوتے ہیں۔ اس ہوتے ہیں کا مطلب کیا ہوتا ہے؟ یعنی بھائی ہیں نہیں۔ چچا ہیں نہیں۔ ماموں ہیں نہیں۔ بلکہ کسی دور کے ذریعہ سے رشتے لگا کر بھائی، چچا، ماموں بنائے گئے ہیں۔ بھائی ہیں یعنی دادا کے چچازاد بھائی کے مثلاً پوتے ہیں۔ ماموں ہیں۔ یعنی والدہ کے ماموں زاد بھائی ہیں۔ چچا ہیں یعنی والد کے چچازاد بھائی ہیں۔ دادا ہیں یعنی دادا کے خالہ زاد بھائی ہیں۔ نانا ہیں یعنی نانا کے پھوپھی زاد بھائی ہیں۔

یہ تو قریب کے رشتوں کا درجہ ہے اور اس کے آگے پھر اضافتوں کی کثرت سے حدود میں آگے بھی وسعت ہوتی ہے۔ پھر یہ تو نسبی رشتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک عورت کے لئے بہنوئی۔ جیٹھ، دیور، سب ہی محرم بنادیئے گئے ہیں بڑا بہنوئی اور جیٹھ بڑے بھائی اور زیادہ سن کے تفاوت میں باپ کے برابر اور چھوٹا بہنوئی اور دیور چھوٹے بھائی یا بیٹے کے برابر سمجھا جاتا ہے۔

ان رشتوں کے ساتھ پردہ کو غیریت کا مظاہرہ قرار دے کر برا سمجھا جاتا ہے۔ پھر اکثر رؤسا اور نوابین کے یہاں تو گھر بہشتی، گھر کا ملازم، گھر کی پرانی ماما کا گھر میں پلا ہوا بچہ جواب بڑا بھی ہو گیا ہو۔ انا کا ذکر نہیں جس کا بیٹا مخصوص شرائط کے ساتھ شرعاً برادر رضاعی قرار پاتا ہے۔ لیکن کھلائی کا لڑکا بھی بچپن میں پڑھانے والا مولوی، میاں جی اور ماسٹر یہ سب ہی پردہ سے مستثنیٰ ہیں۔ غرض یہ کہ محرم اور نامحرم کی تفریق میں شرع کے اختیارات کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا ہے اور پھر سمجھتے ہیں کہ ہم پردہ داری میں شریعت کے پابند ہیں۔ حالاں کہ حقیقت میں وہ پردہ کو بحیثیت فریضہ شرعی کے ان حدود کے ساتھ انجام ہی نہیں دیتے بلکہ رواجی طور پر اپنے رسم و رواج کے اصول و قواعد کے ساتھ اس پر عمل درآمد رکھتے ہیں۔

شرفا کے گھرانوں میں کبھی کبھار جو اس قسم کے واقعات ہوئے یا خدانخواستہ ہوں جن کا حوالہ دیا گیا ہے۔ وہ اکثر ایسے ہی اشخاص کی بدولت جنہیں شریعت نے محرم قرار نہیں دیا ہے۔ مگر رسم و رواج میں انہیں پردہ سے مستثنیٰ کردیا گیا اور اس لئے وہ خراب نتائج پیدا ہوئے اور اسی سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جب اس محدود دائرہ میں بے پردگی ہوگی وہ کیسے خراب نتائج پیدا کرسکے گی۔

چوتھا اعتراض

پردہ نوع انسانی کے نصف جسد کو بے کار و معطل بنادیتا ہے اور کشمکش حیات میں حصہ لینے سے مانع ہے۔

جواب

کارآمد ہونا ہر شئے کا اپنے اعتبار سے ہوتا ہے اگر یہ مان لیا جائے کہ زندگی کے کام وہی ہیں جنہیں مرد انجام دیتا ہے تو چونکہ عورت پردہ کی وجہ سے ان کاموں کو انجام نہیں دیتی تو یہ سمجھا جاسکے گا کہ وہ بیکار ہوگئی مگر یاد رکھنا چاہیئے کہ نظامِ حیات کا کارخانہ بہت وسیع ہے جس کے کچھ کل پرزے اوپر کام کرتے ہیں اور کچھ اندر کام کرتے ہیں اور سب کی شرکت سے اس نظام حیات کی تکمیل ہوتی ہے۔

عورت اور مرد میں فطری حیثیت سے تفرقہ ہے اور بہت سے کام تعمیر نوع کے عورت کے ذمہ ایسے ہیں جن میں مرد اس کے ساتھ کوئی حصہ نہیں لے سکتا۔ تو کیوں نہ مرد کے ذمے بھی کچھ فرائض ایسے ہوں جن میں عورت حصہ نہ لے سکے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ عورت بیکار ہوگئی بلکہ تقسیم عمل کے ساتھ ہر ایک صنف اپنے شعبہ میں باکار رہتی ہے۔

اسلام جو نبض شناس فطرت بشری ہے اس نے عورت اور مرد کی فطرت کے تفرقہ کے ساتھ ساتھ تقسیم عمل سے کام لیا ہے۔ اس تقسیم عمل کو پیغمبر اسلامؐ کی گود کے پلے ہوئے مرد اور عورت حضرت علی مرتضیٰ اور فاطمہ زہرا علیہا السلام نے عملی طور پر دکھلا دیا۔ باغوں میں جانا۔ کنوئیں سے پانی کھینچنا۔ آب کشی کرنا حضرت علی بن ابی طالبؑ کا کام اور گھر میں سوت کا تنا چرخہ چلانا۔ چکی پیسنا اور بچوں کی تربیت کرنا حضرت فاطمہ زہراؑ کا کام۔ ظاہر ہے کہ دونوں فردیں کش مکش حیات میں مصروف عمل ہیں مگر گھر کے باہر کے کام مرد سے متعلق ہیں۔ اور گھر کے اندر کے کام عورت سے متعلق ہیں۔ انتظامِ خانہ داری عورت سے متعلق اور تحصیلِ معاش کا بار مرد کے سر۔

دونوں صنفوں کے خصوصیات طبیعت جو قدرت کی طرف سے ودیعت ہیں۔ وہ بھی اسی کے متقاضی ہیں۔ انتظام و تدبیر کا تعلق قوت خیال کے ساتھ ہے جو نفسیاتی طور پر عورت میں غالب ہیں اور تحصیل معاش کا تعلق قوت جسمانی اور جوش عمل کے ساتھ ہے جو مرد میں فراواں ہے۔ اسی طرح طاقت کا غلبہ اور تحفظِ اقتدار کی صلاحیت مرد میں زیادہ ہے اس لئے اسلام نے مرد کو عورت کا محافظ قرار دیا اور اعلان کیا کہ **الرجال قوامون علی النسآء**۔

آج کا مرد جو کش مکش حیات کے میدان میں عورت کو اپنے دوش بدوش بلانا چاہتا ہے یہ حقیقتہً اپنی پست ہمتی کا مظاہرہ ہے جب خود اکیلا اس وقت کے معاشی مشکلات میں ناکارہ ثابت ہورہا ہے تو عورت کو مدد کے لئے بلاتا ہے۔ حالاں کہ ابھی جبکہ میدان مقابلہ میں صرف مرد ہیں۔ تب تو بہت سے مردوں کو قدم ٹکانے کی جگہ نہیں ملتی اور اگر کہیں اس میدان میں عورتیں بھی آ گئیں تب کیا عالم ہوگا اور مرد کس کام کے رہیں گے اور پھر جو عورت کے فرائض خاص اور خانہ داری کی ذمہ داریاں ہیں ان میں بھی کمی ہوگی۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ عورت اپنی نسوانیت کے شعبہ میں بے کار اور مرد اپنے مردانہ جدو جہد کے شعبہ میں بے کار۔ وہ گھروں کے بجائے محکموں اور کارخانوں کے بجائے ٹھیٹھروں اور سنیماؤں میں فرصت کے اوقات میں دونوں ہی بجائے زینت کا شانہ ہونے کے زیب تماشہ گاہ کبھی محوِ تماشہ اور کبھی خود تماشہ۔

گھر بار نوکروں پر اور بچے بھی نوکروں پر۔ یہ ہے سچی تصویر اس موجودہ تمدن کی جس میں گھر برباد ہوتے ہیں اور سیر گاہیں آباد ہوتی ہیں۔

نہ مرد ہی کام کے رہتے ہیں اور نہ عورتیں ہی حقیقت میں کام کی رہتی ہیں۔ اس سے ہزار درجہ بہتر ہمارا پردہ کا نظام ہے جس میں بقول مخالف آدھی صنف انسانوں کی بے کار رہتی ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ دونوں اپنے اپنے شعبوں میں باکار ہیں اور مساوی طور پر تقسیم عمل کے ساتھ کش مکش حیات میں ایک دوسرے کے مددگار رہیں۔

پانچواں اعتراض

پردہ عورتوں کو تعلیم و ترقی کے حصول سے مانع ہے۔

جواب

تعلیم کے معنی مطلق حصول علم کے لیے جائیں اور علم سے مراد فائدہ رساں علم مراد لیا جائے تو یہ بالکل غلط ہے کہ پردہ عورتوں کو ایسا علم حاصل کرنے سے مانع ہے۔ ہاں اگر تعلیم سے مراد صرف کالج اور یونیورسٹی کے علوم متعارفانہ اور ان کی ڈگریاں ہیں تو پردہ کی پابندی کے ساتھ اس حصول میں دشواری سمجھی جاسکتی ہے مگر طبقہ نسواں کے لیے ان علوم کی افادیت بڑی حد تک قابلِ بحث ہے۔

یہ بھی غلط ہے کہ پردہ حصول ترقی میں مانع ہے ہر طبقہ اور ہر صنف کی ترقی یہ ہے کہ اپنے خصوصیات کے اندر ترقی کرے۔

مثال کے طور پر ایک بڑھئی کی ترقی یہ نہیں ہے کہ

وہ شاعری اچھی کرنے لگے۔ ایک شاعر کی ترقی یہ نہیں ہے کہ وہ مریضوں کا علاج اچھا کرنے لگے۔ ایک ڈاکٹر کی ترقی یہ نہیں ہے کہ وہ کپڑے اچھے سینے لگے۔ ایک درزی کی ترقی یہ نہیں ہے کہ وہ منطقی مسائل پر بحث اچھی کرنے لگے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہر شعبہ کے ماہر کی ترقی یہ نہیں ہے کہ وہ اپنے شعبے میں زیادہ ماہر ہوجائے۔ یونہی مرد اور عورت جو دو صنفیں ہیں ان میں جس طرح مرد کی یہ ترقی نہیں ہے کہ وہ نسوانی اوصاف قبول کرے اسی طرح عورت کی ترقی یہ نہیں ہے کہ وہ ہر فن جس میں مرد اس وقت مہارت رکھتے ہیں اس کو حاصل کرکے خود اس میں مہارت کی دعوے دار ہوجائے بلکہ مرد کی ترقی یہ ہے کہ وہ بہتر مرد بنے اور عورت کی ترقی یہ ہے کہ وہ بہتر عورت بنے۔ موجودہ تعلیم وترقی میں عورتوں کے لئے سب سے بڑی خرابی یہی ہے کہ وہ عورت کو جغرافیہ، سائنس، منطق، فلسفہ قانون۔ تاریخ، ادب، علم الحیوانات، علم النباتات، علم النفس، فن طبیعات، فنِ اقتصادیات، فن سیاسیات سب کچھ سکھا دیتی ہے مگر اچھی عورت بننا ہی نہیں سکھاتی اور یہی اس کے لئے سب سے زیادہ ضروری چیز ہے اور اس کی تعلیم کے لئے پردہ مانع نہیں بلکہ معاون ہے۔

پھر اس تعلیم کے حصول کے ساتھ دوسرے فنون بھی سکھانا ہیں تو پردہ کی پابندی کے ساتھ ان کے سکھانے کا انتظام کیا جاسکتا ہے۔ باپ اپنی لڑکی کو بھائی اپنی بہن کو تعلیم دے سکتا ہے بلکہ سیدہ عالمؑ نے دنیا کو یہ سبق دیا ہے کہ ضرورت ہو تو بیٹے سے ماں اپنے معلومات کے حصول میں مدد لے سکتی ہے۔

حالانکہ سیدہ عالمؑ قدرت کی جانب سے جو ہر علم سے مالا مال کی گئی تھیں۔ مگر آج چونکہ سیدہ عالمینؑ کے علمی کمال یا حضرت زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا کے کمال علم وفضل سے عورتوں کی تعلیم پر غلط طور سے استدلال کیا جاتا ہے اس لئے یہ بھی تو دیکھنے کی ضرورت ہے کہ طریقہ اس کا کیا بتایا گیا ہے۔

کسی درس گاہ کالج اور معاذ اللہ سیر گاہ کا کیا تذکرہ ہوسکتا ہے حضرت سیدہؑ عالم تو کبھی اپنے والد بزرگوارؐ کے موعظہ میں آکر نہیں شریک ہوئیں۔ حالانکہ بیت الشرف مسجدِ رسولؐ سے متصل تھا اور صحن مسجد میں دروازہ تھا۔ کیا آپ کو اپنے مقدس باپ کے موعظہ سے استفادہ کا اشتیاق نہ تھا۔ ضرور تھا اور اس کا نتیجہ ہے کہ جب بڑا شاہزادہ حسنؑ مجتبیٰ مسجد سے واپس ہوتا تھا تو سیدہ عالمؑ پوچھ لیتی تھیں کہ پدر بزرگوار نے آج موعظہ میں کیا بیان کیا اور حسنؑ بیان کردیا کرتے تھے۔

اس طرح سیدہ عالمؑ نے بتادیا کہ اگر ضرورت ہو تو اپنے بیٹے سے مدد لے لو مگر گھر سے قدم باہر نہ نکالو۔

حضرت زینب سلام اللہ علیہا کا بھی جو علمی کمال تھا وہ اپنی مادرِ گرامی کی آغوشِ تعلیم اور بھائیوں کی معصومانہ تربیت کے سوا کسی انسان کا رہینِ منت نہ تھا۔ خالق کا فیض فطرت اس کے علاوہ ہے۔

نسوانی ترقی کے معیار کو سیدہ عالمؑ اور ان مخدرات نے دنیا کے سامنے واضح کردیا ہے اور وہی عقلی نقطۂ نظر سے بھی ترقی کا حقیقی معیار ہے۔

مرد اور عورت جب کہ مزاج طبعی میں الگ الگ ہیں تو مرد جن فنون میں پایۂ ترقی تک پہنچتا ہے ان فنون کے اعتبار سے عورت کی ترقی کو جانچنا فطرت نسوانی پر ایک ظلم اور اس کی توہین ہے اور اس اعتبار سے اگر دیکھا جائے گا تو عورت کبھی مرد کے حدود تک پہنچتے نظر ہی نہیں آئے گی خواہ پردہ ہو اور خواہ پردہ نہ ہو۔ مشاہدہ اس کا قطعی گواہ ہے۔

ممکن ہے میری یہ صاف بیانی محترم خواتین کے لئے وقتی طور پر ناگوار ہو مگر میرے نزدیک اس میں ان کی کوئی توہین نہیں ہے بلکہ ان کے جوہر فطری کی خصوصیت کا اظہار ہے جس میں مرد ان کے ساتھ حصہ نہیں رکھتا اور یہ فطرت کا ایک عدل ہے کہ اس نے ہر ایک مخصوص جوہر ذاتی کے اعتبار سے

فرائض سپرد کئے ہیں۔

وہ صاف بیانی جس میں تلخی محسوس ہونے کا اندیشہ ہو رہا ہے یہ ہے کہ ہندوستان کو جانے دیجئے جس میں عورتیں بیچاری بقول شخصے زندہ در گور یعنی پردہ میں مقید ہیں۔ ایران اور عراق میں بھی کہہ دیجئے کہ عورتیں چار دیواری میں قید نہ سہی پھر بھی برقع و نقاب کے شکنجہ میں اسیر ہیں مگر یورپ میں تو صدیوں سے پردہ اٹھ چکا ہے اس کے باوجود اعداد و شمار سے مجھے بتائیے کہ مدبرین عالم میں عورتیں کتنی ہوئیں اور اس وقت کتنی موجود ہیں۔

یہ ہزاروں ایجادیں جو اس وقت آپ کے سامنے ہیں ان کے موجدین میں عورتیں کتنی ہیں؟

جو ہزاروں انکشافات ہوئے اور ہو رہے ہیں ان انکشافات کرنے والوں میں عورتوں کی کتنی تعداد ہے؟

اس وقت اور اس کے پہلے کے فوجی افسروں اور ماہرینِ حرب میں عورتیں کتنی ہیں بڑے بڑے عدالتی محکموں کے افسروں میں اور ماہرین قانون میں عورتوں کا تناسب کیا ہے؟

مختلف علوم و فنون کے مصنفین میں عورتوں کا تناسب کیا ہے؟

اگر آپ کو اتنی صدیوں کی بے پردگی اور تعلیمی آزادی کے بعد ان تمام شعبوں میں عورتوں کا درجہ نقطہ کے برابر نظر آئے اور آپ یہ دیکھیں کہ اس بے پردگی کے ماحول میں عورت نے ان علوم و فنون میں مرد کے مقابلہ میں ذرہ بھر بھی قابل لحاظ ترقی نہیں کی ہے اس کے برخلاف سینما کے ایکٹریسوں میں بہت سی عورتوں کے نام نظر آئیں گے۔ حسن کے مقابلہ میں ملکۂ حسن بننے کی کوشش کرنے والی یا یہ لقب حاصل کر لینے والیوں کی فہرست میں بہت نام نظر آئیں گے۔ اسپتالوں اور شفاخانوں میں مرہم پٹی اور تیمارداری کرنے والیوں میں بہت سی فردیں نظر آئیں گی اور اگر علوم و فنون کے شعبوں میں نام سنائی دے تو افسانہ نگار اخبار نویسی اور شاعری کے ایسے لطیف ادب کے شعبوں میں وہ بھی مردوں کے برابر نہیں تو پھر سچائی کے ساتھ فطرت کے رب کی بارگاہ میں سر خم کر دیجئے۔ اس تفریق کو مانتے ہوئے جو اس نے عورت کے درمیان رکھ دی ہے اور پیشانی جھکا دیجئے پیغمبر فطرت کے اس ارشاد کے سامنے کہ

المرأة ریحانة ولیست بقهر مانة۔

''عورت پھولوں کا گلاستہ ہے، طاقت و قوت کا مجسمہ نہیں ہے۔''

یہ ارشاد جو دونوں کے اختلافِ فطرت کے ساتھ اختلاف فرائض کا پتہ دے رہا ہے جس اختلاف پر تقسیم عمل کے قانون کی بنیاد قائم ہے۔ جس قانون سے بغاوت لفظی کے طور پر صدائے بے ہنگام کے طور پر زبان سے ہوتی رہے مگر عملی دنیا میں نہ کامیاب ہوئی ہے نہ کبھی ہو سکتی ہے۔

چھٹا اعتراض

اچھے بچے اچھی ماؤں ہی کی گود میں پل کر بڑھ سکتے ہیں۔ جب مائیں جاہل تو ہم پرست اور کوتاہ نظر ہوں گی تو بچوں میں علمی اور نظری بلندیوں کا پیدا ہونا غیر ممکن ہے۔

جواب

اصل اصول مسلم ہے بے شک اچھے بچے اچھی ماں ہی کی گود میں پیدا ہو سکتے ہیں۔ مگر شرط یہی ہے کہ اچھی ماں ہو اور بچہ کو اپنی گود میں پناہ دینے کا وقت بھی رکھتی ہو۔

موجودہ تعلیم و تمدن میں تو خرابی یہی ہے کہ وہ عورت کو بقدر صلاحیتِ جغرافیہ داں، سائنس داں، تاریخ داں وغیرہ وغیرہ سب کچھ بنا سکتی ہے مگر اچھی ماں نہیں بنا سکتی اور نہ اسے بچوں کی تربیت کی طرف متوجہ رکھ سکتی ہے۔ بچہ کی جائے پناہ ملازم یا ملازمہ کی گود اور اس کی نگرانی رہ جاتی ہے اور ماں بس

کسی کسی وقت تفریحاً بچہ کے ساتھ اظہار محبت کرے تو کردے عملی طور پر اس کی تربیت سے کوئی تعلق نہیں رکھتی۔

اس کا نتیجہ جو مشاہدہ کے ساتھ تعلق رکھتا ہے ناموں کی تصریح کے ساتھ پیش کرنا ممکن ہے کچھ ''آبگینوں'' کو ٹھیس لگنے کا سبب بن جائے مگر یہ واقعہ ہے کہ ہمارے ملک ہماری قوم کے مایۂ ناز فرزند جن میں سے بعض ہوائے تجدد میں پرواز کرتے ہوئے خود اس وقت پردہ کی مخالفت میں پیش پیش ہیں اور اسی طرح کے دلائل پیش کررہے ہیں جن پر تبصرہ ان سطور میں مدنظر ہے۔ ہاں ہاں بے شک یہ ہماری قوم کے سرمایہ فخر فرزند جو اپنے دماغی اور عملی کارناموں کی بدولت آسمان تمدن پر سورج بن کر چمکتے ہیں۔ خود پردہ دار اور قدیم تمدن کی پابند ماؤں کی گود میں پل کر پروان چڑھے ہیں جب کہ ان کی اولاد جو ہرگز اپنے بزرگوں کے درجہ پر نہیں پہنچ سکی بے پردہ دار ماؤں کا نتیجہ پرورش سے ہمارے یہ ''مصلحین'' اگر خود اپنی آغوشِ تربیت کے نتیجہ پر جو پردہ کی پابندی کے ساتھ تھی اور اپنی اولاد کے آغوش تربیت کے نتیجہ پر جو پردہ سے آزاد ہے۔ ایک عبرت پذیر توجہ کے ساتھ غور فرمائیں تو پردہ کے خلاف اپنے استدلال کی کمزوری کا خود انھیں اندازہ ہوسکتا ہے۔

ساتواں اعتراض

پردہ سے عورت کی توہین وتذلیل ہوتی ہے اور یہ بڑی ناانصافی ہے کہ مردوں کو تو پردہ کا حکم نہ دیا جائے اور عورتوں کو پردہ میں قید رکھا جائے۔

جواب

جنسِ عزیز کی حفاظت ہوتی ہے اور وہ پردہ میں رکھی جاتی ہے تو ہین کا تخیل اس میں نہایت عجیب ہے۔ بلکہ اگر کوئی توہین کا اس میں پہلو ہوسکتا ہے تو مرد کے لئے کیونکہ حفاظت اسی سے کی جاتی ہے جس پر اعتماد واطمینان نہ ہو۔ مثال کے طور پر اپنے ضروری کاغذات یا نقد وجواہرات کا کوئی صندوقچہ کھولے ہوئے دیکھ رہے ہوں اور کوئی آپ کا سمجھا بوجھا ہوا دوست آجائے تو آپ بدستور صندوقچہ کھلا ہوا چھوڑ کر اس سے گفتگو میں مصروف ہوجائیں گے لیکن ذرا کوئی مشکوک آدمی آگیا اور آپ فوراً صندوقچہ کو مقفل کردیتے ہیں۔ یہ اس شخص کو دیکھتے ہی صندوقچہ کو مقفل کردینا اس شخص کی ایک طرح سبکی کا باعث ہوسکتا ہے۔ جس کے آنے پر حفاظت ضروری سمجھی گئی ہے یوں ہی سمجھ لیجئے کہ فطرت شناس دینِ اسلام کو عورت کی سلامت روی پر اعتماد و اطمینان تھا کہ تحریک خیانت طبعاً عورت کی جانب سے نہیں ہوا کرتی۔ اس لئے مرد کا حسن اگر بے پردہ رہے تو کوئی نقصان نہیں ہے لیکن مرد کی نیک دلی پر اسلام نے اعتماد واطمینان نہیں کیا۔

اس لئے عورت کو پردہ میں رکھا گیا۔ تا کہ اس کی دولت حسن وآبرو دست بردو غارت گری سے محفوظ رہے۔ اسی لئے عورتوں کا پردہ خود عورتوں کو اتنا بار نہیں جتنا آج کل کے ''غیورو خوددار مردوں کو بار ہے۔''

کاش عورت نے بطور خود پردہ پر احتجاج کیا ہوتا تو اس میں خلوص اور ذاتی تاثر کا پہلو زیادہ نمایاں ہوتا مگر حقیقت یہ ہے کہ عورتوں کے پردہ پر احتجاج مردوں نے شروع کیا۔ برا نہ مانا جائے تو کہوں کہ یہ احتجاج ایسا ہے جیسے تمام دنیا کے چور اور ڈاکو مجتمع طور پر کانفرنس منعقد کریں اور اس پر احتجاج کریں کہ راتوں کو گھروں کے دروازے بند کیوں ہوتے ہیں؟ صندوقوں اور تجوریوں میں قفل کیوں لگائے جاتے ہیں اور بینکوں کی حفاظت میں اتنا اہتمام کیوں ہوتا ہے؟ ایسے احتجاج کی وقعت معلوم ہے۔

یہ ضرور ہے کہ شاطر مرد اس احتجاج میں عورتوں کے ساتھ ہمدردی کا لب ولہجہ اختیار کرتے ہیں اور اس لئے دھوکے میں آکر بعض عورتیں بھی ان کی آواز میں آواز ملا دیتی ہیں۔ مگر

طاقت ور فرد یا جماعت کی ہمیشہ اور بالخصوص موجودہ دور میں جو سیاست کا دور ہے ایک ادا یہ رہی ہے کہ وہ کمزور کا ہمدرد بن کر اسے لوٹے۔ آج تو جو بھی طاقت کسی ملک پر حملہ کرتی ہے وہ اس ملک کی بہبودی کے لئے حملہ آور ہوتی ہے اور جو فاتح کسی ملک پر قبضہ کرتا ہے وہ اس ملک والوں کی نابالغی کی بنا پر بحیثیت ولی اس کا سرپرست ہی ہو کر قابض ہوتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مرد نے عورت کو ہمیشہ کھلونا بنائے رکھا اور اپنی مطلب برآری کے لئے کبھی اس کی قدر و قیمت کا لحاظ نہ کیا۔ یہ صرف مذہب تھا جو کمزوروں کا حقیقی محافظ ہے اور جس نے کمزور سمجھ کر ہی عورت کو مرد کے دستِ تطاول سے بچانے کے لئے پردہ کے قلعہ میں محفوظ کیا جیسے آج کل کا آزادی پسند مرد مذہبی قیود سے آزادی کی عام خواہش سے فائدہ اٹھاتے ہوئے صنف نازک کا ہمدرد بنکر ڈھانا چاہتا ہے۔ اور نسوانی عزت کو صنفِ طاقتور کی عام غارتگری کی آماجگاہ بنا دینے کی کوشش کر رہا ہے۔

اسلام نے پردہ کا جو حکم دیا ہے وہ اگر کسی توہین پر مبنی ہوتا تو جن عورتوں کی عزت مذہبی طور پر زیادہ کرنا اسلام کا نصب العین تھا ان کے لئے پردہ میں کمی ہوتی لیکن جب کہ ہم اس کا عکس دیکھتے ہیں یعنی دختر رسولؐ اور ازواج رسولؐ پردہ کی دوسری عورتوں سے بڑھ چڑھ کر پابند بنائی گئی ہیں تو اس سے زاویۂ نظر صاف معلوم ہو جاتا ہے اور پتہ چل جاتا ہے کہ پردہ بنظر توہین نہیں بلکہ بنظرِ عزت ہے۔ اس لئے جس کا جتنا زیادہ وقار ہے اتنا ہی اس کا پردہ زیادہ ہے خدا ہماری خواتین کو اپنے نادان دوستوں اور دانا دشمنوں دونوں سے محفوظ رکھے۔

آٹھواں اعتراض

پردہ صحت کے لئے مضر ہے روشنی اور تازی ہوا پہنچ نہیں سکتی جس کی وجہ سے فیصدی نوّے عورتوں کو دق ہو جاتی ہے۔

جواب

انسانی نظامِ زندگی میں منفعت اور مضرت کے پہلو تقریباً ہر چیز میں ہیں ایک کسان دن بھر دھوپ میں ہل جوتتا ہے یقیناً دھوپ میں اتنی اتنی دیر تک کھڑے رہنا صحت کے لئے مفید نہیں ہے بہت مضر ہے مگر اس حفظانِ صحت کی خاطر یہ حکم لگا دیجئے کہ کاشتکاری نہ کی جائے تو کیا انجام ہوگا۔ ریلوے انجنوں کے ڈرائیور ہر وقت کوئلہ پھانکتے اور دھوئیں سے دوچار رہتے ہیں اس کے مضر صحت ہونے میں کیا شبہ مگر یہ فتویٰ نہیں دیا جا سکتا کہ ریلیں چلانا موقوف۔

جن شہروں میں مل (کارخانے) ہیں وہاں کی آب و ہوا عموماً خراب ہوتی ہے۔ یہ ملوں کا دھواں اور اس کے اندر کے ذرات جو شہریوں کے جگر اور پھیپھڑوں تک پہنچتے ہیں بڑے خراب اثرات پیدا کرتے ہیں۔ مگر کوئی نہیں کہتا کہ یہ سب مل بند کر دیئے جائیں ایسا بھی نہیں کہ ان تمام مضر صحت اثرات کے اندر رہنے والے سب اثر قبول ہی کر لیتے ہوں۔ قدرت کی طرف سے ایک مضر چیز کے اثر کو زائل کرنے کے لئے نہ جانے کیا کیا مصلح چیزیں ہوا کرتی ہیں جس کی وجہ سے اکثر اشخاص زندہ بھی رہتے ہیں اور نہیں متاثر ہوتے۔ پھر اگر مان بھی لیا جائے کہ پردہ حفظانِ صحت کے لئے مضر ہے تو اس کی وجہ سے وہ ضرورت نظر انداز نہیں کی جا سکتی جو پردہ کے قیام کی متقاضی ہے۔

بے شک پردہ کے حدود کے اندر جہاں تک ممکن ہو ان مضر اثرات کو دور کرنے کی کوشش بھی کی جائے مثلاً صاحبانِ دولت اگر خود اپنی پردہ دار کوٹھی کے گرد ایک وسیع احاطہ کو زنان خانہ سے مخصوص کر دیں تو روشنی اور تازہ ہوا سے عورتیں تمتع ہو سکتی ہیں۔ پھر شرعی پردہ کی واجب مقدار کے ساتھ باپ بھائی یا عزیزوں کی نگرانی میں اگر کسی باہر کے اپنے باغ یا کھیتوں میں وہ تفریح بھی کرنا چاہیں تو شریعت دامن پکڑ

کے روکے گی نہیں۔

حالانکہ جس طرح پردہ میں یہ مضرت جسمانی کا پہلو ہے اسی طرح حفظان صحت کا پہلو بھی موجود ہے۔ وہ یہ کہ سڑکوں پر، راستوں میں، گلیوں میں اور بالخصوص سینماؤں اور ٹھیٹھر وں میں جہاں بھیڑ ہوتی ہے کھوے سے کھوا چھلتا ہے اور ہر طرح کے لوگ پاس پاس بیٹھے ہیں نہ جانے کتنی قسم کے امراض کے مبتلا لوگوں سے مڈبھیڑ ہوتی ہے۔ کتنوں سے بات چیت ہوتی ہے۔ کیسے کیسے اشخاص کے پاس بیٹھنا ہوتا ہے اور مختلف طرح کے جراثیم ہوا میں تنفس اور تکلم کے ذریعہ سے جسم تک پہنچنے کے امکانات ہوتے ہیں اور ان جراثیم کی مضرتوں سے عورتیں پردہ کی پابندی کی وجہ سے زیادہ محفوظ رہ سکتی ہیں۔

اسی کا نتیجہ ہے کہ باوجودیکہ پردہ کے رواج کو چودہ سو برس کے قریب ہو چکے پھر بھی مسلمانوں میں عورتوں کی مردم شماری کا تناسب مردوں سے زیادہ ہی رہا جس کی وجہ سے ایک ایک مرد کو چار عورتوں تک شادی کرنے کی اجازت کا نفاذ رہا اور مشاہدہ سے ثابت ہے کہ بڑی پردہ کی پابند عورتیں بھی اسّی اور نوے یا اس سے زیادہ کی عمر تک پہنچتی رہی ہیں۔ جبکہ موجودہ زمانہ میں جو بہ نسبت پہلے کے اوسط کے لحاظ سے بہت سی مسلمان عورتوں میں بھی آزادی پیدا کر چکا ہے۔ عمروں کی مقدار بہ نسبت پہلے کے گھٹ گئی ہے۔

یہ پردہ کی برکت نہیں بلکہ موجودہ زمانہ کے حفظانِ صحت کے اصول سے گھرے ہوئے مگر غیر فطری ماحول اور مصنوعی زندگی کی برکت ہے۔ جس کی وجہ سے مردوں کی عمر طبعی بھی پہلے کی بہ نسبت گھٹ گئی۔ پھر عورتوں کی عمر کا گھٹنا پردہ کا نتیجہ کیونکر سمجھا جا سکتا ہے۔

معلوم ہوا کہ پردہ کے خلاف جتنے اعتراضات ہیں وہ سب بالکل غلط ہیں عقلی حیثیت سے پردہ مستحسن اور شرعی حیثیت سے لازم ہے اور مسلمان عورت کے لئے مذہبی طور پر اس کی پابندی بہر حال ضروری ہے۔

☆☆☆

(سلسلۂ اشاعت امامیہ مشن لکھنؤ نمبر ۸۴۸، دسمبر ۱۹۹۶ء)

(بقیہ صفحہ نمبر ۲۰ کا۔۔۔۔۔۔۔۔۔)

کی بہت سی حقیقتیں ابھر سکتی ہیں جن سے ابھی لوگ ناواقف ہیں۔ میں نے اس سلسلے میں مقتل عقبہ بن سمعان اور مقتل ضحاک مشرقی تیار کیا تھا اور دونوں شائع بھی ہو گئے ہیں یہ واقعہ کربلا کے عینی گواہ تھے اور محب اہل بیتؑ تھے۔ عراق وایران اور ہندوستان کے اہل نظر میں انہیں دلچسپی سے پڑھا یا گیا۔ میں مقتل الحسینؑ امام زین العابدینؑ، مقتل حضرت زینبؑ مقتل فاطمہ کبریٰؑ، مقتل امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ و مقتل الحسینؑ امام رضاؑ، مقتل الحسینؑ امام مہدیؑ منتظر واقعہ کربلا کے سلسلے میں ان کے بیانات جمع کر کے شائع کرنے کا ارادہ رکھتا تھا لیکن عوام کی باہمی آویزش نے ان کو کسی ضرورت کے احساس کے قابل نہیں رکھا ہے۔ بہت ضروری اور اہم کام جو اس صدی کے تقاضے تھے زاویہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں اگر مورخین کی کتابوں سے مقاتل تیار کرنے اور نئے مقاتل ترتیب دینے کی مہم کی قدر و قیمت کو محسوس کیا جاتا اور یہ کام ہو جاتا۔ تاریخ وادب اور ذکر و بیان مراثی وخطابت کو وہ قوت و جلا ملتی جس کا اندازہ اندھیرے میں نہیں کیا جا سکتا۔

اگر تیرہ سو سال کے اندر جو مقاتل لکھے گئے یا تاریخوں میں جو مواد ہے اس پر نظر ثانی نہیں کی جائے گی اور درایت و تنقید کی مدد سے نئی کتابیں منظر عام پر نہیں آئیں گی تو غلطیوں کا لامتناہی سلسلہ جاری رہے گا۔

[ماخوذ از ہفتہ وار سرفراز لکھنؤ محرم نمبر فروری ۱۹۷۳ء صفحہ ۱۶۱/تا ۱۶۴]

۞۞۞